© rasailojaraid.com

تفسیر قرآن اور اسرائیلیات

(قرونِ اُولیٰ میں)

غزل کاشمیری - استاذ شعبہ علوم اسلامیہ - اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

اسرائیلیات کا لفظ اسرائیل سے بنا ہے۔ اس کا اطلاق یہودی منقولات پر ہوتا ہے یا اس سے مراد یہودی ثقافت کی وہ گہری چھاپ ہے جو قرآن کی بعض آیات کی تفاسیر پر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اسرائیلیات میں ہم وسیع مفہوم پیدا کر کے اس میں نصرانی ثقافت کو بھی شامل کر رہے ہیں۔ لہٰذا جب یہ کہا جائے گا کہ اسرائیلیات سے یہودی و نصرانی دونوں ثقافتوں کی چھاپ مراد ہے تو اسرائیلیات محض تغلیباً کہا جائے گا۔ کیونکہ ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں یہودی ہی زیادہ تعداد میں تھے۔ خود عرب انہی کی ثقافت سے زیادہ متاثر تھے اور انہی کے عقائد و اعمال کو ترجیح دیتے تھے۔

یہودی ثقافت کا تمام تر دارومدار تورات پر تھا۔ اس الہامی کتاب کے بارے میں قرآنِ پاک بھی گواہی دیتا ہے :-

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور تھا۔

قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اس میں احکام بھی تھے :-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ

اور اس تورات میں ہم نے ان پر جان کے بدلے جان فرض کی اور آنکھ کے بدلے آنکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور باقی زخموں میں قصاص واجب کیا"۔

یہودی تورات کا اطلاق اپنی تمام مقدس کتابوں پر جن میں زبور بھی شامل ہے، کرتے ہیں۔ تورات جو کہ اسفار موسیٰ ہیں، کو عہد قدیم کہا جاتا ہے۔ تورات کے علاوہ یہودیوں کے ہاں کچھ سنن، نصائح اور شروح بھی تھے، جن کو اگرچہ خود موسیٰؑ نے تو نہیں لکھوایا تھا البتہ اُن کے پیروکار اُن سے طریق مشافہت سے نقل کرنے کے دعویدار تھے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان اسفار، نصائح اور شروح میں اضافہ ہوتا گیا۔ بعد میں جب ان کو مدوّن کیا گیا تو اُن کا نام تلمود رکھا گیا۔ تلمود بہت سے یہودی ادب، قصص، تاریخ، تشریعی احکام اور بے شمار اساطیر و خرافات کا مجموعہ بن گئی۔

نصرانیوں کی ثقافت کا دارومدار انجیل پر تھا۔ قرآن نے اس کے بھی الہامی ہونے کی گواہی دی ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۳

"پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد اور رسول بھیجے اور اُن کے پیچھے عیسیٰؑ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی"۔

عیسائیوں کی جو معتبر انجیلیں تھیں اور جن کے ساتھ رسولوں کے کچھ صحائف، خطوط اور مکاشفات شامل تھے ان کو عہد جدید کہا جاتا ہے۔ تورات کی طرح انجیل کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے بہت عرصہ بعد مدوّن کیا گیا۔ اس کی روایت بھی مشافہۃً تھی۔ اس کی شروح کا بھی لکھا جانا ایک فطری امر تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف قصص، اخبار اور تعلیمات کا بھی اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جن کو حضرت عیسیٰؑ سے براہ راست حاصل کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

اگر ہم تورات و انجیل کا بغور مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ دونوں کتابیں بعض ایسے عقائد، اعمال اور احکام پر مشتمل ہیں جن میں قرآن بھی ان کا ساتھ دیتا ہے۔ خاص کر انبیاء کی تاریخ میں خاصی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور قرآن اُن کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ لیکن اس مشابہت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ایک فرق مبین ہے کہ تورات و انجیل میں بے انتہا اور لایعنی تفصیل ہے۔ واقعات و احکام میں ہر قسم کا عنصر وہیں موجود ہے۔ مگر قرآن کسی واقعہ کا صرف وہی حصہ بیان کرتا ہے، جو انسانیت کے لیے باعث عبرت و موعظت ہوتا ہے۔ احکامات میں وہ ایک کلیہ یا بنیادی مسئلہ فراہم کر دیتا ہے۔ وہ جزئیات و تفاصیل میں نہیں پڑتا یا یوں کہنا چاہیے کہ وہ کسی واقعہ کا لب لباب پیش کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آدم وحوا اور ان کے ہبوط کا قصہ ہے۔ قرآن نے جنت کی تعیین نہیں کی اور نہ اس درخت کی نوع بتائی جس کے قریب آدم وحوا گئے تھے۔ نہ اس حیوان کا ذکر ہے جس کی قمیص بنا کر شیطان جنت میں داخل ہوا تھا۔ نہ وہ جگہ بتائی جہاں خروج جنت کے بعد آدم وحوا اترے تھے۔ لیکن تورات ان تمام واقعات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کرتی ہے۔ مثلاً جنت عدن کے مشرق میں تھی۔ جس درخت سے آدم وحوا کو منع کیا گیا تھا۔ وہ جنت کے وسط میں تھا۔ وہ زندگی کا درخت تھا۔ وہ خیر و شر کی معرفت کا درخت تھا۔ جس حیوان نے حوا کو بہکایا تھا۔ وہ سانپ کی شکل میں شیطان تھا۔ اس سانپ کو اللہ نے یہ سزا دی کہ وہ زمین پر پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر مٹی کھائے گا۔ انسان اس کا ازلی دشمن رہے گا حوا کو دردِ زہ کی سزا دی گئی اور آدمؑ کو کہا کہ وہ اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا[۵]۔ مگر قرآن ان داستانوں اور اس قبیل کے دوسرے تمام واقعات کو اسلوب موجز میں بیان کرتا ہے۔ وہ بسط و اطناب سے پرہیز کرتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰؑ کا حسب نسب، آپ کی جائے پیدائش اور نہ ہی اس شخص کا ذکر ہے جس کے ساتھ مریم کے تعلقات کو انجیل بیان کرتی ہے۔ آسمان سے نازل ہونے والے دسترخوان کے کھانوں کے انواع؛ یا ابراہیمؑ نے جن پرندوں کو سدھایا تھا وہ کون کون سے تھے۔ سفینہ نوحؑ کتنا بڑا تھا۔ اس کی لکڑی کس درخت کی تھی۔ اس لڑکے کا کیا نام تھا جس کو خضرؑ نے قتل کر دیا تھا۔ اور گائے کا وہ کون سا حصہ تھا جس کو مقتول پر مارا گیا تھا[۶]۔

ظاہر ہے یہ تمام تفصیلات و جزئیات اہلِ کتاب کے پاس موجود تھیں۔ لہٰذا یہ ایک فطری امر تھا کہ صحابہ کرام قرآنی ایجاز کی وضاحت کے لیے یا اطمینانِ قلب کی خاطر مزید معلومات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرتے ۔ بعض غامض مسائل ایسے تھے جن کی شرح کے لیے صحابہ کرام اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

تفسیر میں اسرائیلیات کے داخلے کی ابتدا تفسیر میں اسرائیلیات کا داخلہ نبی پاک کی وفات کے بعد عہد صحابہ ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ عہدِ صحابہ میں قرآنی تفسیر کا سب سے بڑا سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی۔ آپ کے بعد دوسرا بڑا سرچشمہ یہی اہل کتاب تھے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا کہ کوئی صحابی قرآن میں کوئی قصہ پڑھتا جو نہایت مختصر ہوتا تھا تو وہ اس کی مزید شرح کے لیے اہل کتاب کی طرف رجوع کرتا تھا تاکہ اس قصہ کا سیاق و سباق حاصل کر کے اصل قصہ کی کُنہ کو پایا جا سکے۔ جو لوگ یہودیت یا نصرانیت ترک کر کے دائرہ اسلام میں آئے تھے، صحابہ کرام کے لیے وہ بہت بڑی غنیمت اور نعمت تھے۔ کیونکہ اسلام لانے سے قبل بھی وہ اہل دین تھے اور معلومات کے عظیم سمندر رکھتے تھے۔ ان صحابہ کرام میں کعب الاحبار (م ۳۲ ھ) اور عبداللہ بن سلام (م ۴۳ ھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

لیکن صحابہ کرام اہلِ کتاب سے ہر چیز کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے اور نہ ہی ان کی ہر بات پر صُمّاً وعمیاناً گر پڑتے تھے۔ وہ صرف وہی چیز پوچھتے تھے جو کسی واقعہ کی وضاحت کے بارے میں مطلوب ہوتی تھی۔ یا کسی چیز کو اگر قرآن نے مجمل چھوڑا ہوتا تھا تو وہ اس کا بیان چاہنے کے لیے اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اسی طرح وہ اہل کتاب سے کوئی ایسی بات نہ پوچھتے تھے، جن کا تعلق عقیدہ یا احکام سے ہوتا تھا۔ جب کوئی عقیدہ یا حکم رسول اللہ سے ثابت ہوتا تھا تو انہیں اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی تھی۔ البتہ قرآنی احکام و عقائد کی تقویت کے لیے بطور استشہاد وہ اہل کتاب کی ضرور سنتے تھے۔

صحابہ کرام ان اشیاء کے بارے میں بھی اہلِ کتاب سے نہیں پوچھتے تھے جو فضولیات سے متعلق ہوتی تھیں اور جن کا عقیدہ یا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً اصحابِ کہف کتنے تھے، اُن کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ شاہ ولی اللہ نے سچ کہا ہے کہ "صحابہ کرام اس قسم کے لایعنی تکلفات کو قبیح اور تضییعِ اوقات خیال کرتے تھے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابہ کرام کا یہ تمام عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے عین مطابق ہوتا تھا:

عن ابو ھریرۃ قال کان اھل الکتاب یقرءون التورٰۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا ؎

"حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو، بلکہ کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے"۔

چنانچہ صحابہ اس قدر تحقیق کرتے تھے کہ اگر اہل کتاب کوئی غلط جواب دیتے تو صحابہ کرام ان کی غلطی اُن پر واضح کر دیتے تھے اور انہیں وجہ صواب بتا کر اُن کا جواب رد کر دیتے تھے بخاری کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر یوم الجمعۃ فقال فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم وھو قائم یصلی یسأل اللہ تعالیٰ شیئا الا اعطاہ ایاہ واشار بیدہ یقللھا ؎

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن جمعہ کا ذکر کیا اور فرمایا اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ حالت نماز میں اسے پا لے اور اللہ سے جو کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہی عطا فرمائیں گے۔ نبی پاک نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس گھڑی کے بارے میں بتایا کہ وہ چند لمحات کی ہے۔"

اس گھڑی کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ آیا یہ اب بھی باقی ہے یا اٹھالی گئی ہے؟ اگر باقی ہے تو کیا یہ ہر جمعہ میں آتی ہے یا سال میں صرف ایک ہی جمعہ میں آتی ہے؟ چنانچہ ابو ہریرہؓ نے اس بارے میں کعب احبار سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ سال کے ایک ہی جمعہ میں آتی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے اس کے جواب کو رد کر دیا اور کہا کہ یہ ہر جمعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ہے۔ چنانچہ کعب نے دوبارہ تورات کا مطالعہ کیا تو ابو ہریرہ کی بات کو صحیح پایا۔
اسی طرح ابو ہریرہ اس ساعت کی تحدید کے بارے میں پوچھنے کے لیے عبداللہ بن سلام کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں: "مجھے اس ساعت کے بارے میں بتاؤ اور علم کے بارے میں مجھ سے بخل سے کام نہ لینا"۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ مگر ابو ہریرہ نے ان کا جواب بھی رد کر دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس مسلمان بندے کو یہ گھڑی حالت نماز میں ملے" اور جمعہ کی آخری گھڑی میں تو نماز نہیں ہو سکتی۔ اس پر عبداللہ بن سلام نے یہ جواب دیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا "جو نمازی نماز کے انتظار میں بیٹھے تو وہ نماز ادا کرنے تک گویا حالتِ نماز ہی میں ہوتا ہے"۔ چنانچہ ابو ہریرہ خاموش ہو گئے۔
مندرجہ بالا واقعہ اس بات کی صریح نشان دہی کرتا ہے کہ صحابہ کرام اہل کتاب کی ہر بات کو بلا چون وچرا یا آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ ہر حالت میں تلاشِ حق میں سرگرداں رہتے تھے۔ اگر اس کتاب کی کوئی بات جادۂ حق سے ہٹی ہوئی ہوتی تھی تو اس کو فوراً رد کر دیتے تھے۔ اور اس کے علل بھی واضح کرتے تھے۔ ہاں وہ اہل کتاب سے وہ بات بھی اخذ کرتے تھے جو ان کے عقائد و اعمال کی تائید کرتی ہو۔ ایسا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کرتے تھے۔ اور حدِ جواز کے اس دائرے سے کبھی باہر نہ جاتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مقرر فرما دیا تھا۔ مثلاً وہ دائرۂ جواز یہ تھا:

بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔

"مجھ سے لوگوں تک احکام پہنچاؤ، چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اور بنی اسرائیل سے روایت کرو کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔"

اس حدیث میں بنی اسرائیل سے ایسے واقعات اور روایات بیان کرنے کی اجازت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی گئی ہے جو عبرت و موعظت کا باعث تھیں۔ وہ بھی اس شرط پر کہ بیان کرنے والا جھوٹا نہ ہو۔ یہ بات بعید از عقل ہے کہ نبی کسی جھوٹے سے روایت بیان کرنے کی اجازت دے۔

حافظ ابن حجر اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

"یعنی اہل کتاب سے حدیث بیان کرنے میں تم پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ نبی پاک نے اہل کتاب سے حدیث بیان کرنے سے اور ان کی کتابوں کو پڑھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ پھر اس بارے میں وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے حدیث بیان کرنے کی ممانعت احکام اسلامیہ اور قواعد دینیہ کے پختہ جڑیں پکڑ لینے سے قبل تھی تاکہ مسلمان کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ جب یہ خوف دور ہو گیا تو اس بارے میں اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ اہل کتاب کے زمانے میں جو واقعات گذرے تھے اُن کے سننے سے انسان عبرت حاصل کرتا ہے۔

"اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضورؐ کے وَلَا حَرَجَ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تم اہلِ کتاب سے عجائبات سنتے ہو اُن کے سننے سے تمہارے سینے تنگ نہ ہوں۔ کیونکہ یہ عجائبات اُن کے ہاں اکثر واقع ہوتے ہیں"۔

"اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم اہل کتاب سے روایات بیان نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے نبی پاک نے فرمایا حَدِّثُوا (بیان کرو) یہ امر کا صیغہ ہے اور وجوب کا تقاضا کرتا ہے (یعنی ضرور بیان کرو) اس حدیث میں عدم وجوب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ امر اباحت کے لیے ہے کیونکہ ساتھ ہی وَلَا حَرَجَ آیا ہے۔ گویا اہل کتاب سے ترکِ تحدیث میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب کے واقعات کو حکایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی انہی کے الفاظ میں۔ کیونکہ اہل کتاب کے واقعات کے الفاظ تہذیب اور ادب سے حد درجہ گرے ہوئے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کو ان کا یہ کہنا "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا" (تم اور تمہارا رب جائے اور دونوں لڑیں) یا یہ کہنا "اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا" (ہمارے لیے کوئی پروردگار گھڑ دو) یعنی بعینہٖ ان گستاخانہ الفاظ کی حکایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے مراد خود اسرائیل کی اولاد ہے وہ ہے یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ تو پھر مراد یہ ہو گی کہ اس قصہ کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں جو یعقوب کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے روا رکھا۔ لیکن یہ توجیہہ سب سے زیادہ دور از کار ہے۔"

"امام مالکؒ نے کہا کہ اہل کتاب سے جو اچھے اقوال ہیں اُن کو بیان کرنا جائز ہے اور جن اقوال کا کذب ظاہر ہو جائے اُن کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے وہ اشیا بیان کرو جو قرآن اور صحیح حدیث کے مطابق ہوں۔"

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے ہر صورت میں روایت بیان کرنا جائز ہے، چاہے اس روایت میں انقطاع یا ابلاغ ہو۔ کیونکہ ایسی روایت کو بیان کرنے میں اتصال بہت مشکل کام ہے مگر ان میں احکامِ اسلامیہ شامل نہ ہوں گے۔ کیونکہ احکام اسلامیہ کی روایت میں اصل اصول اتصال شرط ہے اور یہ قربِ عہد کی وجہ سے مشکل نہیں ہے۔"

"امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کی روایت کی اجازت نہیں دے سکتے جو جھوٹی ہو۔ لہٰذا حدثوا عن بنی اسرائیل کا معنی یہ ہو گا کہ بنی اسرائیل سے وہ چیز بیان کر سکتے ہو جس کا کذب تم نہیں جانتے۔ اور جس صحیح روایت کو تم بیان کرنا جائز سمجھتے ہو تو اس کو بیان کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ نبیؐ پاک کے اس قول کی طرح ہے "اذا حدثکم اھل الکتاب فلا تصدقوھم ولا تکذبوھم" یہاں جس چیز کا سچا ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو اس کے بیان کرنے کی نہ تو اجازت ہے اور نہ ہی ممانعت ہے گئی۔" (مطلب یہ ہے کہ اگر تم بیان کرو تو حرج نہیں اور نہ بیان کرو تو کوئی گناہ نہیں)۔

حافظ ابن حجر نے جو کچھ کہا ہے اُس سے ہماری اُوپر والی تمام توجیہات کی تائید ہوتی ہے۔

اب رہی پہلی حدیث کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب تو اس سے مراد اہل کتاب کی وہ باتیں ہیں جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں — یعنی ہم ان روایات کے بارے میں کوئی حکم لگانے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا اُن کے بارے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ بات مبنی برحق ہو اور ہم اسے جھٹلا دیں اور ہو سکتا ہے وہ کذب کا پلندہ ہو اور ہم اسے سچ جان کر قبول کر لیں۔ دونوں حالتوں میں عذابِ الٰہی کا خطرہ ہے۔ حافظ ابن حجر ایک اور جگہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم سے مراد یہ ہے کہ جب وہ خبر دونوں باتوں کی متحمل ہو۔ ہو سکتا ہے وہ نفس الامر میں سچی ہو اور تم جھٹلا دو۔ اور ہو سکتا ہے وہ جھوٹی ہو اور تم اس پر ایمان لے آؤ۔ اس طرح تم نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ ان کی جو باتیں ہماری شرع کے خلاف ہیں ان کی تکذیب کرنے کی ممانعت واقع نہیں ہوئی۔ اور ان کی جو چیزیں ہماری شرع کے مطابق ہیں تو ان کی تصدیق کرنے کی بھی ممانعت نہیں آئی۔ یہی بات امام شافعیؒ نے کہی ہے اور اسی بات کو ہم سلف صالحین سے منقول پاتے ہیں"۔[۲۵]

حافظ ابن حجرؒ نے اس تعارض کو ایک اور جگہ بالکل کھلے الفاظ میں دور کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ابن بطال نے مہلب سے بیان کیا ہے کہ یہ ممانعت (اہل کتاب سے پوچھنے کی) ان مسائل کے بارے میں ہے جن کی کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہماری شریعت اس چیز سے بے نیاز ہے کہ ہم اہل کتاب کی طرف رجوع کریں۔ جب کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی نص نہیں ہو تو ہم خود اجتہاد، فکر اور استدلال سے کام لیں گے۔ لہٰذا ہم ان سے پوچھنے کے بارے میں بے نیاز ہیں۔ لیکن ان سے ایسی باتیں پوچھنا جو ہماری شریعت کی تصدیق کرتی ہیں یا گذری ہوئی اقوام کے حالات دریافت کرنا اس ممانعت میں نہیں آتے۔ اور قرآن پاک کا یہ فرمانا "فاسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک" (یعنی ان لوگوں سے پوچھو جو آپ سے پہلے اتاری گئی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص سے پوچھیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لا چکا ہو۔ اور جو شخص ان میں سے ایمان نہیں لایا اس سے نہ دریافت کیا جائے۔

"اور اس نہیں میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ایسی باتیں نہ پوچھی جائیں جو توحید، رسالت محمدیہ اور اس قبیل کی چیزوں اور عقائد سے تعلق رکھتی ہوں"۔[۲۶]

یہاں حافظ صاحب نے ایک اور بات بیان کی ہے کہ وہ اہل کتاب جو مومن ہو چکے تھے ان سے کوئی بات پوچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے صحابہ کرام کعب الاحبار اور عبد اللہ بن سلام جیسے حضرات سے ہی مسائل پوچھتے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ کافر اہل کتاب سے تو وہ پوچھتے ہی نہیں تھے۔ (استفادہ شدہ کتب کی فہرست اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

① فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۱
؎۱ المائدہ - ۴۴
؎۲ ایضاً - ۴۵
؎۳ الحدید - ۲۷
؎۴ ملاحظہ ہو "عہد قدیم" کی کتاب الاحبار اور "عہد جدید" کے احکام عشرہ
؎۵ عہدِ قدیم باب ۳ پیدائش ۱۱-۲۱
؎۶ الاتقان - جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ - سہیل اکیڈیمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۱۹۷۳ء
؎۷ . الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۵۳ - نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ فیریر روڈ کراچی سن ۱۹۶۰ء فارسی سے عربی ترجمہ محمد منیر دمشقی - حاشیہ مولانا اعزاز علی دیوبندی -
؎۸ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قول تعالیٰ قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا -
؎۹ ایضاً کتاب الجمعۃ باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ
؎۱۰ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ الطبقۃ السابعۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ ۱۳۲۳ھ - حاشیہ پہ صحیح مسلم اور اس کی شرح نوادی ہے -
؎۱۱ ایضاً - یہ جواب موطا، ابوداؤد اور ترمذی میں بھی بیان کیا گیا ہے -
؎۱۲ صحیح البخاری - کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل -
؎۱۳ فتح الباری جلد ۶ ص ۳۶۱ الطبقۃ الاولیٰ مطبعۃ میریہ بولاق مصر محمیۃ ۱۳۰۰ھ -
؎۱۴ ایضاً جلد ۸ ص ۱۲۹ -
؎۱۵ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم - لا تسئلوا اهل الکتاب عن شیئ - فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۸۱ - یہاں حافظ ابن حجر امام عبدالرزاق اور امام سفیان ثوری سے بھی اہل کتاب سے ممانعت کی احادیث درج کی ہیں -

© rasailojaraid.com